بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

حقوقِ نسواں: ’بل‘ نہیں ’تحریک‘!

کوئی سی بھی انسانی کاوش، چاہے وہ قانون سازی کی نوعیت کی ہی کیوں نہ ہو، کبھی بھی بالکل بے عیب نہیں ہوسکتی۔ بے عیب تو صرف خدا کی ذات اور اُس کا کلام ہے، یا خدا کے مستند نمائندوں، یعنی انبیاء و رُسل علیہم السلام کا مستند فرمایا ہوا عیب سے بالاتر ہوتا ہے۔

تحفظِ نسواں کے قانون کا مسودہ اپنی موجودہ صورت میں عاقبت نااندیشی کا ایک بین ثبوت ہے۔ اس قانون کے بنانے میں قانون سازی کے مروّجہ اصولوں سے انحراف بھی کیا گیا اور اسلامی نظریاتی کونسل جیسے سرکاری و ریاستی اہمیت کے ادارے کی مشاورت کو بھی غیر ضروری سمجھا گیا۔ یہ طریقہ کار ایک روایتی مسلم معاشرے میں، جس کا سرکاری مذہب اسلام قرار دیا گیا ہو، ایک ناقابلِ فہم معاملہ قرار پائے گا۔ لیکن ہمیں اصل تشویش اس بات پر نہیں ہے کہ اس قانون کو بنانے میں کن اہم اصولوں کو نظر انداز کیا گیا ہے، بلکہ اصل تشویش اس امر پر ہے کہ مذہبی طبقات نے اس قانون کی تردید میں نامناسب رویے کا اظہار کیا ہے۔ نامور مذہبی قائدین کی جانب منسوب اخباری بیانات سے عورتوں کے حقوق کے بارے میں متعصّبانہ سوچ کی بو آتی ہے۔ ’’زن مریدی‘‘ اور اس جیسی دیگر تہمتیں معتدل نفسیات کے حامل اَذہان پر ہتھوڑے بن کر برستی رہیں اور یہ رویہ اس تاثر کو اجاگر کرتا ہے کہ اسلام شاید گھریلو تشدد کی شکار خواتین کا حمایتی نہیں۔ ظاہر ہے یہ تاثر بے اصل ہے۔ اسلامی طرزِ معاشرت میں عورتوں کے حقوق دنیا کی کسی دوسری معاشرت سے زیادہ حفاظت شدہ ہیں۔ لیکن ہمارے معاشرتی سیٹ اپ میں ان حقوق کی عملی ترویج ایسے ہی مفقود ہے جیسے نظامِ معیشت میں سے اسلام کی بنیادی عادلانہ تعلیمات مفقود ہیں۔

اسلام میں عورتوں کے مقام اور ان کے حقوق کے بارے میں آج تک بہت کچھ لکھا گیا ہے اور لکھا جارہا ہے، لیکن بدقسمتی سے اس میں سے بیشتر بیان کی اہمیت ایک نظریے اور تھیوری سے زیادہ نہیں! گویا ان نظریات کا عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ عملی زندگی میں ہندوانہ رسم و رواج، وڈیرہ شاہی کی اَقدار اور مغربی معاشرت ہی کا دور دورہ ہے۔ عورت کو ایک کمتر مخلوق سمجھنا اور اسے شوہر ہی نہیں گھر بھر کی ’’ملازمہ‘‘ کا درجہ دینا ہمارے معاشرے کا من جملہ وطیرہ ہے۔ چنانچہ مرد اپنے حقوق کے حصول کے لیے عورت پر تشدد کو روا سمجھتا ہے، جبکہ عورت کے لیے اعلیٰ اخلاقی مرتبہ یہی سمجھا جاتا ہے کہ وہ اپنے حقوق سے ہمیشہ دستبرداری اختیار کیے رکھے۔ اس اندازِ فکر اور طریق کار کا سدِّباب بہرحال ضروری ہے۔ لیکن ’’تحفظِ حقوقِ نسواں بل‘‘ سے مطلوبہ نتائج کی توقع رکھنا عبث ہے۔ اس کے لیے ایک ہمہ گیر ’’احترامِ نسواں تحریک‘‘ کی ضرورت ہے جو دینی اَقدار کے فروغ اور سماجی اداروں کی مؤثر شمولیت کے بغیر مطلوبہ نتائج حاصل نہیں کرسکتی۔

دینی لحاظ سے اسلام میں مرد اور عورت کے حقوق میں کوئی فرق نہیں۔ مرد کا نیکی کرنے کا ثواب اور گناہ کا وبال اس کے لیے ہے۔ عورت کی نیکی کا اجر اور گناہ کی سزا اس کے لیے ہے۔ عورت دینی اور اخلاقی لحاظ سے مرد کے تابع نہیں' دونوں اپنی اپنی شخصیت کے خود ذمہ دار ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے: ''میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے کسی بھی عمل کو ضائع کرنے والا نہیں ہوں' خواہ وہ (عمل کرنے والا) مرد ہو یا عورت۔ تم سب ایک دوسرے ہی میں سے ہو''۔ (آل عمران: ۱۹۵)۔ اسی طرح فرمایا گیا: ''مرد حصہ پائیں گے اس میں سے جو وہ کمائی (کسب) کریں گے' اور عورتیں حصہ پائیں گی اس میں سے جو وہ کمائی (کسب) کریں گی۔ اللہ سے اُس کے فضل میں سے حصہ مانگو۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔'' (النساء: ۳۲)

اس سے یہ واضح ہو گیا کہ نیکی اور بدی کمانے میں عورت اور مرد بالکل آزاد ہیں۔ مرد کی کمائی سے عورت اور عورت کی کمائی سے مرد حصہ دار نہ ہوگا۔ اس آیت پر خصوصی توجہ کی اس لیے ضرورت ہے کہ یہاں 'کسب' کے لفظ سے بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ یہ معاشی جِدّوجُہد کے لیے آیا ہے۔ گویا جیسے مرد کو معاشی میدان میں تگ ودو کی آزادی ہے' ویسے ہی عورت بھی ملازمت کرنے میں آزاد ہے۔ جاننا چاہیے کہ لفظ 'کسب' قرآن پاک میں کمائی کے لیے کم ہی آیا ہے' اکثر اس کا استعمال نیکی اور بدی کمانے کے مفہوم میں ہے۔ دُنیوی رزق کے لیے قرآن کی اصطلاح 'فضل' ہے 'کسب' نہیں۔

تاریخِ انسانی میں اسلام نے پہلی مرتبہ عورت کو مستقل قانونی تشخص دیا۔ اسے ذاتی حقِ ملکیت بھی حاصل ہے اور اس پر تصرّف کا اختیار بھی۔ عورت کی مختلف حیثیتوں کے بارے میں اسلامی تعلیمات بہت واضح ہیں۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر اپنے حق کے ساتھ ہی والدین کے حق کا ذکر کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اُس کی مزید تشریح یوں فرمائی: ایک شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ! میرے حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ فرمایا: ''تیری ماں''۔ اُس نے پوچھا: پھر کون؟ فرمایا: ''تیری ماں''۔ اُس نے نے مکرر پوچھا: پھر کون؟ فرمایا: ''تیری ماں''۔ اُس نے پھر پوچھا: پھر کون؟ فرمایا: ''تیرا باپ!'' گویا باپ کے مقابلے میں ماں کا حق کم از کم تین گنا زیادہ ہے۔

بیٹی کی حیثیت میں بھی عورت ذات کو نمایاں مقام دیا گیا ہے۔ اسلامی تعلیمات میں بیٹی کا باپ ہونا باعث سعادت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی' یہاں تک کہ وہ بلوغ کو پہنچ گئیں تو قیامت کے روز میں اور وہ اس طرح ہوں گے جیسے میرے ہاتھ کی یہ دو انگلیاں (ساتھ ساتھ) ہیں''۔ (مسلم) ایک دوسری روایت میں ہے: ''جس کے ہاں لڑکیاں پیدا ہوں اور وہ ان کی اچھی طرح پرورش کرے' تو یہی لڑکیاں اس کے لیے دوزخ سے آڑ بن جائیں گی۔'' (مسلم)

یہی صورتِ حال عائلی نظام میں شوہر اور بیوی کے حوالے سے ہے۔ قانون میں شوہر کو بیوی پر قوّام (نگہباں' محافظ' حاکم' کفیل) بنایا گیا ہے۔ گویا اس لفظ کا صحیح مفہوم یوں ہوگا کہ وہ شخص جو کسی فرد یا ادارے یا نظام کے معاملات کو صحیح اور درست طور پر چلانے اور اس کی حفاظت ونگہداشت کرنے اور اس کی احتیاجات و ضروریات مہیا کرنے کا ذمہ دار ہو۔ سورۃ النساء' آیت ۳۴ میں ارشادِ ربانی ہے: ''مرد عورتوں پر قوّام ہیں''۔ اس کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ نے بیویوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی انتہائی تاکید فرمائی ہے۔ چند احادیث سے بات واضح ہو جاتی ہے:

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دنیا کُل کی کل برتنے کی چیز ہے اور اس دنیا کی بہترین متاع نیک عورت (بیوی) ہے۔'' (مسلم)

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کامل ایمان والا وہ ہے جو اخلاق میں اچھا ہو اور تم میں سے بہترین وہ لوگ ہیں جو اپنی عورتوں (بیویوں) کے حق میں بہترین ہوں۔'' (ترمذی)

(۳) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''(لوگو! جان لو کہ) تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہو۔ اور (جان لو کہ) تم میں سے اپنے گھر والوں سے سب سے بہتر حسنِ سلوک کرنے والا میں خود ہوں۔'' (ترمذی)

یہ ایک المیہ ہے کہ ہمارے ہاں لوگوں کو گھر میں مرد کی حاکمیت کا تو خوب احساس رہتا ہے مگر عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک کو وہ اضافی نیکی سمجھتے ہیں۔ خاکم بدہن' یہ چیز ہماری پکڑ کا سبب بھی بن سکتی ہے۔ سیرتِ مطہرہ سے کوئی ایک مثال بھی ایسی نہیں ملے گی جس سے ثابت ہوتا ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ذاتی حوالے سے کسی زوجہ محترمہ کی سرزنش یا ڈانٹ ڈپٹ بھی کی ہو' تشدد کا کیا سوال ہے۔ سیرت کا یہ پہلو اختیار کرنا تو درکنار ہم ادھر دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ حدیثِ نبویؐ ہے: ''مرد اپنے اہل وعیال پر حکمران اور نگران ہے اور وہ اپنی رعیت میں اپنے عمل پر اللہ کے سامنے جواب دہ ہے''۔ اسی طرح مشہور حدیث ہے: ''تم میں سے ہر ایک (اپنے اپنے دائرۂ اختیار میں) راعی (نگران ونگہبان) ہے اور تم میں سے ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں (اللہ تعالیٰ کے ہاں) جواب دہ ہے''۔ گھریلو امور میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو ایک گونہ مزاجی مناسبت دی ہے۔ انہیں گھر کے انتظام و انصرام کی قابلیت عطا فرمائی ہے۔ کسبِ معاش اگر خاوند کی ذمہ داری ہے تو اس کے گھر میں مناسب تنظیم بیوی کے ذمہ ہے۔ ارشادِ نبوی ہے: ''عورت اپنے شوہر کے گھر کی حکمران ہے اور وہ اپنی حکومت کے دائرہ میں اپنے عمل کے لیے جواب دہ ہے۔'' (بخاری)

یہ خالق کائنات کی کمال حکمت ہے کہ مرد میں اگر فاعل اور فعالیت کی صلاحیت رکھی ہے تو عورت کو بھی منفعل وانفعال کی اہلیتوں سے نوازا ہے۔ دونوں اس نظامِ دنیا کو چلانے کے لیے یکساں ضروری ہیں۔ اب اگر یہ دونوں ایک دوسرے کے دائرۂ کار اور حدودِ عمل میں بے جا مداخلت کریں گے تو تمدن میں فساد اور بگاڑ پیدا ہوگا۔ اسی کے مہلک نتائج انسان نے پہلے بھی بھگتے ہیں اور اب بھی بھگت رہا ہے۔ ایسے مَردوں اور عورتوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لیے لعنت فرمائی ہے جو ایک دوسرے کی نقالی کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں پر لعنت کی جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں (سنن ابی داؤد)۔ اسی سنن میں ایک دوسری روایت ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد پر لعنت کی ہے جو عورت کا لباس پہنے اور اس عورت پر لعنت کی ہے جو مرد کا لباس پہنے۔''

اسلامی معاشرت میں عورتوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے افراد' خاندان' برادری' قبیلہ' نظامِ حسبہ' عدالت اور ریاست سبھی درجہ بدرجہ ذمہ دار بنائے گئے ہیں۔ موجودہ بگاڑ کو مجوزہ قانون سے درست کرنا محض خام خیالی ہے' اس کے لیے وسیع البنیاد تحریک ناگزیر ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا واقعی ہم عورتوں کو ان کے جائز حقوق دینے کے لیے تیار ہیں؟ یا یہ محض ایک وقتی بخار ہے جو اپنے مغربی آقاؤں کی خوشنودی کے لیے چڑھایا گیا ہے؟

❁❁❁